جناب حافظ بشیر احمد مصری

فرق باطلہ کا تعاقب

قادیان سے واپسی

اس مضمون کے مصنف شاہجہان مسجد ووکنگ انگلینڈ کے امام اور ماہنامہ اسلامک ریویو کے جوائنٹ ایڈیٹر رہ چکے ہیں اور اس وقت جنوبی افریقہ میں متوطن ہیں

میرے بہت سے احباب نے مجھ سے متعدد بار خواہش کی کہ میں اپنی وہ کہانی سناؤں جو قادیان سے متعلق ہے اور اس سلسلہ میں اپنے ذاتی تجربات کی روشنی میں اظہار خیال کروں مفصل طور پر کچھ کہنے کے لئے ایک پوری ضخیم کتاب کی ضرورت ہوگی۔ اس مختصر مضمون میں صرف ان واقعات کا ذکر اجمالی طور پر کیا گیا ہے جس نے مجھے اس مسلمہ عقائد کی مخالفت اور منافقانہ مذہب کی ملامت کرنے پر مجبور کر دیا۔

میں ۱۹۱۴ء میں قادیان میں پیدا ہوا یہ میری بدقسمتی تھی جو پچھلے ۷۳ برسوں سے میرے گلے میں طوق لعنت کی طرح حمائل ہے۔ بچپن میں ہی میرے دل میں یہ بات بٹھا دی گئی تھی کہ تمام مسلمان کافر ہیں۔ اللہ اور اسلام پر ایمان اس کے ساتھ مشروط ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب کو اللہ کا رسول تسلیم کیا جائے اور ان کے بعد ان کے جانشینوں کو خلیفہ مانا جائے۔

میں جیسے جیسے سن شعور کو پہنچتا گیا میں نے یہ محسوس کیا کہ میں ایک ایسے معاشرہ کا فرد ہوں جو دجل و فریب پر مبنی ہے کچھ ایسے بزرگ یقیناً موجود تھے جنہوں نے اس مذہب کو اسلام کی ایک اصلاحی تحریک سمجھ کر اس کے ابتدائی دور میں قبول کر لیا تھا۔ ان مخلص اور سادہ لوح لوگوں میں اس کی صلاحیت نہ تھی کہ وہ سمجھ سکتے کہ ان کے اردگرد اب کیا ہو رہا ہے یا پھر وہ اپنے آپ کو اس سے صلح کرنے پر مجبور پاتے تھے۔

کم عمری کے باعث میرے لئے اس وقت یہ سمجھنا مشکل تھا کہ اس تحریک سے اسلام کو نقصان پہنچ رہا ہے ابتدائی مرحلہ میں اس تحریک سے قائدین کے اطوار و اخلاق کے بارے میں میرے دل میں شبہات پیدا ہوئے۔ اس ناپختہ شعور کی کیفیت میں قدرت نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ میرا امتحان لینے کے لئے مجھے جہنم کی بھٹی میں دھکیل دے۔

میں ۱۸ سال کا ایک تندرست و توانا نوجوان تھا جب مجھے یہ پیغام ملا کہ اس وقت تحریک کے سربراہ (خلیفہ) نے کچھ خفیہ امور پر تبادلۂ خیالات کے لئے مجھے مدعو کیا ہے۔ اس زمانے میں ان کو ظل اللہ سمجھا جاتا تھا لہٰذا اس دعوت نامہ کو پا کر بے حد مسرت اور عزت محسوس ہوئی۔ میں نے یہ سمجھا کہ وہ مجھے مذہبی امور سے متعلق کوئی خفیہ کام سپرد کرنا چاہتے ہیں۔

پہلی ملاقات محض سرسری تھی۔ خلیفہ مرزا غلام احمد کے بیٹے بشیر احمد آنجہانی تھے۔ انہوں نے مجھ سے کچھ ذاتی سوالات کئے جن کے جوابات میں نے مؤدب ہو کر دئیے۔ مجھے حکم دیا گیا کہ میں اس ملاقات کا کسی سے ذکر نہ کروں۔ اور دوسری ملاقات کے لئے وقت بتا کر رخصت کر دیا۔ بعد کی ملاقاتیں بے تکلفانہ رنگ اختیار کر گئیں یہاں تک کہ مجھے "اندرونی حلقہ" میں داخل کرنے کی پیشکش کی گئی۔

عیش پرستی کا مرکز

"ظل اللہ" نے دراصل جنسی عیش کوشی اور مختلف طریقوں سے عیش پرستی کے لئے ایک اندرونی حلقہ قائم کر رکھا تھا۔ اس کے لئے انہوں نے دلالوں اور کٹنیوں کا ایک گروہ اکٹھا کر رکھا تھا۔ غریب خاندانوں یا ایسے لوگ جن کے ذہنوں پر مرزائیت پوری طرح سوار ہو چکی تھی یا پھر دوسرے مجبور اشخاص جو کسی طرح مدافعت کے قابل نہیں تھے ان کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو یہاں لایا جاتا۔ ان میں سے کبھی کوئی شخص صدائے احتجاج بلند کرتا تو اسے بائیکاٹ مرتد قرار دے کر یا دوسرے طریقوں سے بدنام کر کے خاموش کر دیا جاتا۔

مرزا صاحب کا خاندان اپنے فرقہ میں روحانی اقتدار کا حامل ہی نہیں بلکہ قادیان اور اس کے اطراف میں کثیر زرعی زمینوں کا مالک بھی تھا۔ ان زمینوں پر کاشتکاری کرنے والے ان کے متبعین ہونے کے علاوہ معاشی طور پر ان کے دست نگر تھے۔ کیونکہ یہاں انہیں بحیثیت کاشتکار کسی قسم کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ ان حالات میں کسی شخص کی جانب سے ان کی مخالفت ممکن نہ تھی۔ کچھ لوگوں نے اگر کبھی اس کی جرأت کی تو وہ کسی حادثہ کا شکار ہو جاتے یا پھر اس طرح غائب کر دئیے جاتے کہ ان کا کوئی سراغ ہی نہ ملتا۔ جس زمانہ میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا مسلمان اپنی سادہ لوحی کی بنا پر مرزائیت کے خلاف کلامی بحثوں اور مناظرانہ جنگ میں مصروف تھے اور انہیں اس کی گندگی کا کوئی علم نہیں تھا۔

ایسا وقت بھی آیا جب میرے ذہن میں خیال آیا کہ تقدس کے پردہ میں اس بے ایمان گروہ کے سربراہ کو قتل کر کے اس سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن اس کم عمری میں بھی عقل نے ساتھ دیا۔ میں نے

اپنے دل میں سوچا کہ لوگ یہی سمجھیں گے کہ کسی دشمن نے مذہبی تعصب کے تحت یہ جرم کیا ہے اور اس طرح تاریخ اسے شہیدوں کی صف میں جگہ دے دے گی۔ اس کے علاوہ ایسے شخص کی اچانک موت اس کے جرائم کی سزا کے بجائے اس کی نجات دہندہ ثابت ہو گی۔ اور لوگ یہ خیال کریں گے کہ اس نے مذہب اور خدا کے لئے اپنی جان دے دی۔

بعد کے حالات سے یہ ثابت بھی ہوا کہ میرا یہ خیال صحیح تھا۔ وہ تھوڑے دنوں بعد فالج کا شکار ہو گئے اور طویل عرصہ سخت تکلیفیں اٹھا کر راہی فنا ہو گئے۔ ان کی علالت کے زمانہ میں جو ڈاکٹر ان کا علاج کیا کرتا تھا اس نے مجھے بتایا کہ آخری مرحلہ پر وہ ذہنی طور پہ ماؤف ہو چکے تھے۔ اور ہر وقت انتہائی فحش باتیں کرتے تھے۔ اور جب تک گویائی نے ساتھ دیا فحش الفاظ ہی زبان پہ رہے اور اسی پر خاتمہ بالشر ہوا۔

مذکورہ بالا وجوہات کے علاوہ ایک اور وجہ تھی جس نے راست اقدام سے باز رکھا۔ میں یہ سمجھ چکا تھا کہ ایک شخص واحد کی موت سے یہ برائی دور ہونے والی نہیں ہے۔ صرف اکیلا یہ شخص جنسی بے راہ روی کا شکار نہیں تھا بلکہ ان کے بھائی اور مرزا صاحب کے خاندان کے افراد کی اکثریت کی اخلاقی حالت بھی کچھ بہتر نہیں تھی۔ اس نام نہاد تقدس مآب گھرانہ کے بزرگوں نے اپنی لمبی داڑھیوں کے باوجود فسق و فجور کے حلقے ہنار کھے تھے۔ گویا کہ ان کے درمیان سمجھوتہ تھا کہ کوئی ایک دوسرے پر انگشت نمائی نہ کرے۔ دراصل اس حلقہ اقتدار میں صرف انہی لوگوں کو ذمہ داری سونپی جاتی تھی جو اس خاندان کے اس طرزِ زندگی کو پوری طرح اپنا چکے تھے۔ یہ وہ خاندان تھا جسے لوگ بے شرمی سے پیغمبر کا خاندان کہتے تھے۔ ان حالات میں یہ تعجب خیز امر نہیں تھا کہ کانا پھوسی کے ذریعہ ان کے کارناموں کا ذکر ہونے لگا تھا۔ اور امیر خاندانوں کے بگڑے ہوئے نوجوان اس " اصلاحی تحریک" میں اس لئے شامل ہو گئے تھے کہ انہیں مشرقی اخلاق کی ان حد بندیوں سے نجات مل جائے جس پر اس وقت معاشرہ عمل کر رہا تھا۔

تائب ہونے والوں پر مظالم خلیفہ کے " اندرونی حلقہ" سے اخراج کے بعد میری زندگی مسلسل خطرہ میں تھی اس کے جرائم پیشہ لوگوں نے میرا تعاقب شروع کر دیا۔ اس وقت میں نے یہ فیصلہ کیا کہ میں اس سے سیدھا مقابلہ کروں میں خلیفہ کے پاس گیا اور ان کو میں نے ایک طویل خط دکھایا۔ جس میں میں نے اس کے سیاہ نامہ اعمال کا پورا ریکارڈ لوگوں کے نام جرائم کے اوقات کے ساتھ لکھ رکھا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ اس خط کی نقلیں میں نے مختلف اشخاص کے پاس اس ہدایت کے ساتھ جمع کر دی ہیں کہ میرے مرنے یا غائب کر دئے جانے پر اسے کھول کر پڑھ لیں

اس کے بعد میں اس قابل ہو گیا کہ آزادی سے قادیان کی سڑکوں پر چل پھر سکوں۔

ان لوگوں کی بداخلاقیوں کے بارے میں جس قدر میری معلومات میں اضافہ ہوتا گیا اسی قدر میں مذہب سے برگشتہ ہو گیا۔ حتی کہ میں ملحد ہو گیا۔ الحاد نے میرے اندر ایک ایسا خلا پیدا کر دیا جسے میرے لئے از خود بھرنا مشکل تھا۔ لہٰذا میں نے اپنے والد صاحب سے رجوع کیا۔ انہیں میری روداد سن کر سخت دھچکا لگا۔ ظاہر ہے کہ وہ ایک کم عمر نوجوان کی بات پر یقین نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے طور سے معلومات حاصل کرنا شروع کیں۔ اور بہت جلد ہی انہیں میری صداقت کا یقین ہو گیا۔

میرے والد صاحب نے نام نہاد خلیفہ کو ایک طویل مراسلہ لکھا اور یہ مطالبہ کیا کہ وہ خلیفہ کے عہدہ سے دستبردار ہو جائے۔ دو بار یاددہانی کرانے پر بھی کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ بلکہ میرے والد شیخ عبدالرحمن مصری اور ان کے خاندان کے تمام لوگوں مرتد قرار دے دیا۔ میرے والد صاحب کے تینوں خطوط ہندوستانی اخبارات میں شائع ہوئے۔

مرتد ہونے کا مطلب یہ تھا کہ ہمارا سماجی بائیکاٹ شروع ہو گیا۔ ہماری زندگی خطرہ میں پڑ گئی یہاں تک کہ حکومت کو ہمارے گھر کے اردگرد چوبیس گھنٹے کا پہرہ لگانا پڑا۔ اور ہمارے گھر کا کوئی فرد پولیس کو ساتھ لئے بغیر باہر نہیں جا سکتا تھا۔ اس تمام احتیاط کے باوجود میرے اور میرے دو دوستوں پر بازار میں دن کے وقت حملہ کیا میرے ایک ساتھی کے سینہ میں چھرا مارا اور وہ مر گیا۔ دوسرے کی گردن اور کندھے پر زخم آئے اور اسے بہت دنوں تک ہسپتال میں رہنا پڑا۔ میں نے مقابلہ کیا اور اپنے حملہ آور کو زخمی کر دیا۔ یہ زخمی شخص غائب کر دیا گیا اور پولیس نے بعد میں تلاش کر کے اسے گرفتار کر لیا۔ اور اسے قتل کے الزام میں پھانسی کی سزا ہوئی۔ قادیان میں اس کی موت پر بہت جوش و خروش سے مظاہرہ کیا گیا اور خلیفہ نے خود اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

اس واقعہ کے بعد مجلس احرار اسلام نے اپنے والنٹیرز بھیج کر ہماری حفاظت کا انتظام کیا یہ والنٹیرز ملٹری پولیس کے علاوہ ہمارے گھر کا پہرہ دیتے تھے۔ ان سب لوگوں کے خیموں سے جو ہمارے بنگلہ کے درمیان میں نصب تھے ہمارا گھر مورچہ بند قلعہ معلوم ہوتا تھا۔

مرزا کے کارکنوں نے میرے والد کو جھوٹے مقدموں میں پھانسنا شروع کر دیا ان کا مقصد انہیں بدنام کرنا اور مالی طور پر کمزور بنانا تھا۔ اس کے لئے حد درجہ گندی اور گری ہوئی ذہنیت کا مظاہرہ کیا

گیا کہ ہمارے لئے زندگی دوبھر ہو گئی۔ میرے والد کو گیارہ افراد پر مشتمل اپنے خاندان کے گزارہ کے لئے زیورات اور جانور بیچنا پڑے۔ سب سے افسوسناک امر یہ تھا کہ ہمارے خاندان کے بچوں کو تعلیم منقطع کرنا پڑی۔ میرے خاندان پر ان مظالم اور ایذارسانی کی تفصیلات اس زمانہ کے اخبارات میں شائع ہوئی تھیں۔

نقل وطن حکومت اور دوسرے لوگوں کی جانب سے ہمارے خاندان پر بہت دباؤ پڑ رہا تھا کہ ہم قادیان سے کہیں اور منتقل ہو جائیں۔ چنانچہ ہم لوگ لاہور چلے گئے۔ میرے والد صاحب لاہوری جماعت احمدیہ میں شریک ہو گئے۔ حالاں کہ اس میں اور قادیانیوں کے عقائد میں کوئی خاص فرق نہیں تھا۔ یہ جماعت بھی بد اخلاقیوں میں اسی طرح ملوث تھی۔ میں نے اس جماعت سے بھی اپنے آپ کو الگ رکھا۔ کیونکہ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ میرا تو مذہب پر سے عقیدہ ہی اٹھ چکا تھا۔ بہرحال اس زمانہ میں مجلس احرار کے قائدین سے میرا ربط ضبط بڑھنے لگا جس نے میرے اوپر بہت اثر ڈالا۔ ان میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، چودھری افضل حق اور مولانا مظہر علی اظہر شامل تھے۔ میں نے دیکھا کہ یہ لوگ مخلص دوست اور اچھے مسلمان ہیں۔

میرے والد صاحب نے میرے الحاد کو مجبوراً نظر انداز کر دیا تھا۔ حالاں کہ انہیں اس پر دلی قلق تھا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ میرے لئے اللہ سے برابر دعا کرتے رہتے ہیں اور مجھے بھی خدا سے ہدایت طلب کرنے کی تلقین کی۔ میرا جواب یہ تھا کہ وہ مجھ سے ایک ایسی ہستی کی عبادت کرنے کے طلب گار ہیں جس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ آخر کار بہت مباحثہ کے بعد یہ طے پایا کہ میں خدا سے مشروط طور پر دعا مانگوں چنانچہ میں کچھ اس طرح دعا مانگنے لگا۔

"خداوندا! اگر تیرا وجود ہے تو مجھے کچھ اس کا عرفان عطا کر اور اگر تیرا کوئی وجود نہیں تو پھر تجھ پہ ایمان نہ لانے کا کوئی الزام میرے اوپر نہیں ہے"

اس قسم کی دعا گستاخانہ بلکہ کافرانہ معلوم ہوتی ہے لیکن ایک سال کے عرصہ ہی میں میرے اوپر اس کے پُراسرار نتائج پڑنے لگے۔ میں نے دو خواب دیکھے ان میں سے ایک تو ذاتی نوعیت کا تھا جسے بیان کرنا مناسب نہیں۔ دوسرا خواب کافی طویل اور واضح تھا۔ میرے جیسے گناہ گار کو بھی اس کا یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا وجود ہے یہاں میں صرف یہ کہنا چاہوں گا کہ اس خواب کے آخری حصہ میں میں نے دیکھا کہ مرزائی خلیفہ صاحب کا چہرہ ہیبت ناک طریقہ پر مسخ شدہ ہے۔

ان خوابوں کے بعد مجھے بہت تسکین ہوئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے روحانی کرب میں کمی واقع ہوگئی ہے لہٰذا میں نے طے کیا کہ مجھے اب باقاعدہ طور پر اسلام قبول کرلینا چاہیئے۔ مرحوم مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری مجھے مولانا محمد الیاسؒ (بانی تبلیغی جماعت) کے پاس دہلی سے چند میل کے فاصلہ پر موضع مہرولی لے گئے۔ اور وہاں ۱۹۴۰ء میں ان کے ہاتھوں پر بیعت کی۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ شیخ الحدیث جناب محمد زکریاؒ بھی وہاں موجود تھے۔ مغرب کی نماز کے بعد مولانا محمد الیاسؒ کے ساتھ جماعت میں موجود تقریباً چالیس اشخاص نے میرے لئے دعا کی۔

۱۹۴۱ء میں احساس ندامت وقدرے سکون کے ملے جذبات کے ساتھ جنوبی افریقہ چلا گیا۔ بمبئی میں جہاز کے عرشہ پر کھڑے ہوکر میں قرآن شریف کی اس آیت کی تلاوت کرنے لگا۔

وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ	اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہ کرو
والمستضعفین من الرجال	اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کی خاطر جن میں
والنساء والولدان الذین یقولون	کچھ مرد ہیں اور کچھ عورتیں ہیں اور کچھ بچے
ربنا اخرجنا من ھذہ	ہیں جو دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار
القریۃ الظالم اھلھا	ہم کو اس بستی سے باہر نکال جس کے رہنے
واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا	والے سخت ظالم ہیں اور ہمارے لئے غیب
سورۃ نساء	سے کسی دوست کو کھڑا کیجئے اور ہمارے
آیت ۷۵ پ ۵	لئے غیب سے کسی حامی کو بھیجئے۔

جنوبی افریقہ میں بیس سال رہنے کے بعد ۱۹۶۱ء میں انگلینڈ چلا گیا۔

ووکنگ کی مسجد کی امامت

۱۹۶۴ء میں ووکنگ شاہجہان مسجد میں امام مقرر کیا گیا اس تقرری کی وجہ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس مسجد کو مستشرق ڈاکٹر لیٹنر (Dr. LIETNER) نے ۱۸۸۹ء میں تعمیر کرایا تھا۔ اس کے لئے ہندوستانی مسلمانوں نے رقم فراہم کی تھی۔ اور ایک ٹرسٹ بنایا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مرزائیت نے بال و پر نہیں نکالے تھے لہٰذا ٹرسٹ نے اس کا انتظام لاہوری جماعت کے مرزائیوں کے سپرد کر دیا۔

۱۹۶۰ء کے بعد مسلمانوں کی مختلف انجمنیں انگلینڈ میں قائم ہوچکی تھیں۔ اور وہ اس پر مصر تھیں کہ مسجد

کا انتظام ٹرسٹ کے منشا کے مطابق مسلمانوں کے ہاتھوں میں دیا جائے۔ اور اسے اسلامی مرکز میں تبدیل کر دیا جائے۔ مجھے ٹرسٹ کے سیکرٹری اور مینجر نے بہ حیثیت امام کام کرنے کے لئے درخواست کی۔ میں نے انہیں صاف بتا دیا کہ میں سنّی مسلمان ہوں اور میں نے مرزائیوں کے خلاف اپنے تحریر کردہ کچھ مضامین کی نقلیں بھی ارسال کر دیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ میرے خیالات سے واقف ہیں۔ اور مجھے اطمینان دلایا کہ پاکستان کے ہائی کمشنر جو کہ ٹرسٹ کے سرکاری صدر ہیں مجھ سے متفق ہیں۔

مسجد کا عہدہ سنبھالنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اکثر مسلمان مجھے مرزائی سمجھتے ہیں۔ پچھلے ۲۵ برسوں سے اس مسجد میں مرزائی امام ہی مقرر ہوتے رہے۔ لہذا عام مسلمانوں کے لئے اس بات پر یقین کرنا مشکل تھا کہ یکایک کوئی مسلمان بھی امام ہو سکتا ہے۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں دو گھوڑوں پر سوار ہوں۔ مرزائیوں اور لاہوریوں سے میرے اختلافات ناقابل عبور تھے اور تمام مسلمان مجھے مرزائی سمجھتے تھے۔ مجھے انگلینڈ کے مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنے میں کافی وقت لگا۔

میری یہ تمنا تھی کہ میں مسلم ممالک کا دورہ کر کے ان کی مذہبی حالت کا مشاہدہ کروں۔ (اس دورہ میں میں نے تین سال صرف کئے۔ اور تقریباً ۴۰ ملکوں میں ۴۵ ہزار میل کا سفر کیا) مسجد سے مستعفی ہونے سے پہلے میں یہ چاہتا تھا کہ مسجد اور اسلامک سینٹر مستقل طور پر مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہی رہے۔ بورڈ آف ٹرسٹیز میں صرف دو یا تین مرزائی ممبر تھے۔ لیکن وہ بہت کم سرگرم اور با اثر لوگ تھے۔ وہ برابر اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ میرے بعد مرزائی امام ہی مقرر کیا جائے۔

مسلمان ممبروں سے طویل گفتگو اور مشورہ کے بعد میں نے انگلینڈ اور آئرلینڈ کی تمام مسلم انجمنوں کا ایک جلسہ ۲۰ جولائی ۱۹۶۸ء کو شرقی لندن کی مسجد میں طلب کیا جس میں ایک سو سے زائد مندوبین نے شرکت کی۔ میں نے انہیں صورتِ حال سے آگاہ کیا اور بتایا کہ میں سال کے آخر میں دورہ پر جانے والا ہوں اور مرزائی اس کوشش میں ہیں کہ ان کا اپنا امام مقرر کیا جائے۔

اس رسہ کشی میں ایک قانونی نکتہ بہت اہم تھا جس سے ہمیں بہت مدد ملی۔ ٹرسٹ کی رُو سے مرزائی شروع سے اس مسجد کے کرایہ دار کی حیثیت رکھتے تھے۔ جسے کسی وقت ختم کیا جا سکتا تھا۔ ابھی تک یہ بات عام لوگوں کو معلوم نہیں تھی اور میں نے ان کی توجہ اس طرف دلائی۔

اس جلسہ میں متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا کہ " ووکنگ مسجد کی ایک تشکیل نو کمیٹی " قائم کی جائے جو مسجد کا

چارج اعلانیہ مجمع کے سامنے لے لے۔ اور میرے جانے کے بعد عارضی طور پر ایک مسلمان کو امام مقرر کر دے۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ ٹرسٹ سے کہا جائے کہ وہ اپنے مرزائی ممبروں کی رکنیت ختم کر دے اور آئندہ کسی مرزائی کو ممبر نہ بنائے۔ اس طرح نومبر ۱۹۶۸ء میں میں نے مسجد کا چارج دیا اور اپنے دورہ کے لئے انگلینڈ سے روانہ ہوا۔

میں یہاں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں اپنے مقصد میں ہرگز کامیاب نہ ہوتا اگر میرے کچھ مسلمان دوستوں نے میری مدد نہ کی ہوتی۔ ان سب کے نام گنانا تو ممکن نہیں ہے لیکن تین اشخاص کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے ان میں مرحوم مولانا لعل حسین اختر ختم نبوت کی ایک بین الاقوامی انجمن کے صدر تھے۔ میری طرح انہیں بھی اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں مرزائیت کا ذاتی تجربہ تھا۔ دوسرے حاجی محمد اشرف گوندل صدر بین الاقوامی تبلیغی مشن تھے۔ اور تیسرے جناب این۔ ایم۔ نودھی تھے جنہوں نے ووکنگ کی تشکیل نو کمیٹی قائم کرنے کے لئے انتھک محنت کی تھی۔

آخر میں میں اپنے مسلمان بھائیوں سے قادیانیوں کے خلاف زندگی بھر کی جدوجہد کی روشنی میں چند باتیں عرض کروں گا۔ تاکہ مسلمان زعماء اور حکومتیں اس پر گہرائی سے غور کر سکیں۔ مرزائی مذہب اب اسلام کے لئے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ اس کے بدنما چہرے سے نقاب الگ کی جا چکی ہے۔ اسلام اس قسم کے ارتدادانہ تحریکوں کا مقابلہ کرنے کی پوری سکت رکھتا ہے۔ لیکن ایک نیا خطرہ یہ ہے کہ قادیانی لیڈروں نے بین الاقوامی سیاست میں مسلم دشمن طاقتوں کو اپنی خدمات سپرد کر دی ہیں۔ سازش اور تخریبی کارروائیوں کا اس وقت بہت منفعت بخش پیشہ بن چکا ہے۔ اور مختلف ممالک میں تبلیغ اسلام کے پردہ میں اپنے آدمی مقرر کرنا بہت آسان بات ہے۔

غیر مسلم عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم مرزائیت سے محض مذہبی تعصب کی بنا پر اختلاف رکھتے ہیں ان کے لئے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ یہ تحریک اسلام دشمن طاقتوں کی حلیف اور مسلم ممالک میں ان طاقتوں کی سیاسی اور اقتصادی مفاد کی نگہبان بن چکی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی اہم ہے اور جس کا علم اب مسلمانوں کو ہو رہا ہے کہ قادیانیوں کی اخلاقی بے راہ روی سے مسلمان نوجوانوں کے اخلاق پر بھی بڑا اثر پڑ رہا ہے +